نوادرِ غالب

[۱۲ - غیر مطبوعہ خطوط]

نثار احمد فاروقی

(الف) مقدمہ

یہ میرزا غالب کی خوش نصیبی نہیں تو کیا ہے کہ اُن پر اتنا تحقیقی کام ہو چکا ہے لیکن ابھی تک کوئی نہ کوئی نیا پہلو گفتگو
لیے مل ہی جاتا ہے ——— میں آج میرزا غالب کے ایک درجن غیر مطبوعہ خطوط "نقوش" کے توسط سے غالب پسند ا
ِمت میں پیش کر رہا ہوں۔ اِن میں ایک خط اُردو کا ہے (بنام تفتہ) اور گیارہ خطوط فارسی میں لکھے گئے ہیں، جن میں سے
زاب محمد مصطفیٰ خاں شیفتہ و حسرتی (متوفی ۱۲۸۶ھ / ۱۸۶۹ء) کے نام ہیں، باقی تین خطوط کے مکتوب الیہم منشی نبی بخش حقیر[1]
ن ۱۸۶۰ء) میرزا ہر گوپال تفتہ (متوفی ۱۸۷۹ء) اور مولوی فضل اللہ ہیں۔ یہ خطوط ابھی تک کہیں شائع نہیں ہوئے
آج سے پہلے کسی کے علم میں آئے ہیں۔ ان کا ماخذ ایک قلمی بیاض ہے[2] جس کا عنوان، جامع کا نام، سالِ تالیف
سنہ کتابت کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ یہ اگرچہ صاف نستعلیق خط میں لکھی ہوئی ہے لیکن اِس میں املا کی بے شمار غلطیاں
ں کے خط کی روش اور ظاہری حُلیے سے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ ۱۸۵۷ء سے پہلے لکھی گئی ہے۔ گو اس
ن کوئی داخلی یا خارجی شہادت موجود نہیں ہے۔ اسے بیاض کہنا بھی صحیح نہ ہوگا۔ یہ در اصل کسی خوش ذوق نے
ارسی انشا پردازوں کے خطوط و رقعات کا انتخاب کیا ہے اس میں جن لوگوں کے مکتوبات شامل ہیں اُن میں سے
ے نام یہ ہیں:

ی نبی بخش حقیر کے نام ایک فارسی خط اور بھی ہے جسے اپنے مضمون "حادثۂ اسیری اور غالب" (نقوش شمارہ/۹۴، اگست ۱۹۶۲ء)
ر چکا ہوں۔ یہ اگرچہ پنج آہنگ (کلیات نثر غالب/۱۰۳) میں شامل ہے مگر مجھے جو روایت دستیاب ہوئی ہے اس میں بعض
لافات ہیں، سب سے بڑی بات یہ کہ اس سے غالب کی ایک غزل (ذکر اس پری وش کا اور پھر بیان اپنا) کی شانِ نزول
خ تصنیف معلوم ہو جاتی ہے۔

بیاض راقم الحروف کے ذخیرۂ ذاتی سے علاقہ رکھتی ہے۔

مرزا معز موسوی فطرت - ملا ظہوری - عرفی - قاسم کاہی - محمد قلی سلیم - مرزا صائب - مرزا جلال ا[illegible]
طالب کلیم - مرزا داراب بیگ جویا - طالب آملی - فیضی - حکیم ثنائی - شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی - عبدالقا[illegible]
میرزا اسد اللہ خاں غالب - مولانا فیض الحسن سہارن پوری - مولوی فضل حق خیر آبادی - اور نواب محمد مصطفیٰ خا[illegible]

یہ نسخہ ۷½ × ۱۱½ سائز کے ۱۷ سطری مسطر پر لکھا ہوا ہے، ہر سطر میں تقریباً ۱۷ - ۱۸ الفاظ ہیں۔
روشنائی سیاہ اور عنوانات کی شنگرفی ہے۔

اس مجموعے میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی - مولانا فضل حق خیر آبادی[1] - نواب محمد مصطفیٰ خاں شیفتہ او[ر]
فیض الحسن سہارن پوری کے خطوط بھی بعض اعتبار سے بہت اہم ہیں، اور ان میں سے اکثر غیر مطبوعہ ہیں، وہ [illegible]
کروں گا - اِن شاءَ اللہ -

میں نے غالب کے خطوط نقل کرنے میں اصل کے املا کی پابندی نہیں کی ہے، یعنی وہی کہ یائے معروف
کا فرق نہیں ہے، یا الفاظ کو ملا کر لکھا گیا ہے، یا مرکز اور نقطوں کے معاملے میں کفایت شعاری سے کام لیا گیا ہے
کیوں کہ اگر یہ خطوط غالب ہی کے قلم سے لکھے ہوتے ہوتے تو البتہ اصل کے املا کی نشان دہی ضروری ہو جاتی -
اگرچہ نستعلیق میں صاف اور روشن لکھا ہوا ہے تاہم خطوط فارسی کے بعض الفاظ نہیں پڑھے جا سکے یا اُن میں التبا[س]
ہوا، میں نے اکثر جگہ قیاسی تصحیح کر دی ہے اور جہاں التباس کا اندیشہ تھا وہاں اصل کا املا حاشیے پر نقل کر دیا۔

اِس مضمون کی ترتیب یوں رکھی گئی ہے:

(الف) مقدمہ (ب) متن (ج) اردو ترجمہ (د) تعلیقات (ہ) توضیحات (و) مراجع

ترجمہ کرنے میں اپنی سی احتیاط سے کام لیا گیا ہے وہ نہ ٹھیٹھ لفظی ہے نہ بہ آزادی - بعض جملے قطعاً پلے نہیں پڑ[ے]
وہاں اٹکل سے بھی کام چلایا ہے - ترجمے سے مقصد صرف یہ ہے کہ ان خطوط کی افادیت کا دائرہ وسیع ہو جائے -

ترتیب میں نے وہی رکھی ہے جو بیاض منقول عنہ میں ہے صرف [illegible] کیا ہے کہ اردو کا خط جو سب سے آخر میں تھا
میں نے یہاں شروع ہی میں درج کر دیا ہے - اور جس خط پر تاریخ کتابت درج نہیں ہے اُس کا زمانہ متعین کرنے کی [کوشش]
بھی کی گئی ہے -

توضیحات کے سلسلے میں محب مکرم ڈاکٹر مختار الدین احمد (علی گڑھ) سے بعض مفید مشورے ملے تھے اُن کا شکریہ ا[دا کیا]
جاتا ہے -

---

[1] مولانا فضل حق خیر آبادی کا ایک ہی خط ہے "عرضی در بارۂ امتناع ٹیکس وغیرہ" میں اسے سہ ماہی نوائے اد[ب]
(بمبئی) جلد ۱۳ شمارہ / ۳ جولائی ۱۹۶۲ء میں چھپوا چکا ہوں -

(ب) متن

نام ہرگوپال تفتہ :

شفیق میرے لالہ ہرگوپال تفتہ میرا قصور معاف کریں اور مجھ کو اپنا نیازمند تصوّر فرماویں۔ آپ کا پارسل اور آپ کا خطِ سابق و عنایت نامۂ حال پہنچا۔ جواب نہ لکھنے کی دو وجہ؟ ایک تو یہ کہ میں بیمار، چار مہینے سے تپ لرزہ میں گرفتار، دم لینے کی طاقت نہیں، خط لکھنا کیسا۔ بارے اب فرصت ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ کول تو معلوم مگر مکان آپ کا نہیں معلوم، خط لکھوں تو کس پتے سے لکھوں؟ ہاں آپ نے سرنامہ پر چاہِ گرمابہ لکھا، میں یہ نہیں لکھ سکتا، کس واسطے کہ یہ حمام کے کنوئیں[1] کی مٹی خراب کر کے اوس کو چاہِ گرمابہ لکھا ہے۔ اسماء و اعلام کا ترجمہ فارسی میں کرنا یہ خلافِ دستورِ تحریر ہے۔ بھلا اس شہر میں ایک محلہ ملّی ماروں کا ہے اب ہم اوس کو "گربہ کشان" کیوں کر لکھیں۔ یا املی کے[2] محلے کو "محلہ تمرِ ہندی" کس طرح لکھیں۔ بہر حال، ناچار تمہاری خاطر سے احمق بننا قبول کیا اور دو ہی لفظ مہمل لکھ کر خط بھیج دیا ہے۔ جواب یہ ہے کہ بھائی میرا دل اب شعر و سخن و امارت و ریاست و دین و دنیا و مرگ و زیست و کفر و اسلام سے سرد ہو گیا ہے۔ مگر تمہاری خاطر ——— سو یہ خوب یاد رہے کہ جتنی دیر میں تم ایک نئی غزل لکھ سکتے ہو، مجھ سے اتنے عرصے میں آپ کی ایک غزل کو اصلاح نہیں دی جاتی۔ جلدی نہ کرو اور میرے طور پر رہنے دو۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اس قدر تمہاری جو کہ از قسم غزلیات ہیں وہ سب دیکھ کر بھیج دوں گا۔ نصف دیوانِ سابق دیکھ چکا ہوں، نصف باقی ہے۔ مگر اب خدا کے واسطے جب تک یہ آپ کا کلام نہ پہنچے اور کلام نہ بھیجیے کہ میں گھبرایا جاتا ہوں۔ فقط

اسد اللہ خاں [جون ۱۸۵۴ء]

بنام شیفتہ :

جنابِ عالی!

در تموزِ دی روز کہ خون در رگ سوخت و مغز در استخواں گداخت، بلائے استسقا آں چناں عام بود کہ سمندر تا خود را از آتش در آب نینداختہ باشد آرام نیافتہ[3] باشد۔ ہرگاہ کہ خوی من است جرعہ جرعہ آب آشامیدے شمارا ہر دم یاد آوردمے۔ اگر دل از تشنگی یک رہ سوخت، از بہرِ شما صد رہ سوخت ؎

کسے در عاشقی ہم پیشہ را چوں من نمی خواہد
خورم گر آب شیرینے بیادم کوہکن آید

بارے بگویند کہ روز چوں سپری گشت و شب چگونہ گذشت۔ خاں صاحب چہ تجویز کردہ اند و دی روز و امروز کدام

---

[1] اصل: کوئی کی۔ [2] اصل: املے کے۔ [3] اصل: یافتہ

دو آشنامیده اند۔ دیگراں اگر امروز زنده مانم، فردا بامداد کہاراں فرستند تا مرا ببرند۔ والسلام۔ از اس

(۳) بنام نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ:

خداوند نعمت را اگر دِ سر گردم، و سپاسِ رواں پروری بجا می آرم۔ عطیۂ آد ربعد
ارزانی داشت، ہمانا از صحت[2] و بہجتِ مزاجِ ہمایوں بشارت داده باشد که در اشارت چنیں گفته آمد
روز است ببارگاهِ سپہر اشتباه[3] سلطان می روم۔ امید که چوں برگردم به آستاں بوس مخدوم رسیده با[4]
ستید سلام می رسانم۔ والسلام از اسد اللہ

(۴) بنام نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ:

قبلہ من: چوں مخدوم صوم و نوم باہم آمیختہ، لاجرم من که با یکے ازیں ہر دو مقاومت
با ہر دو چوں طرف گردم، ہمانا در معذرت کاہل قدمی سخن می رود تا فرا رسند که اگر بملازمت نرسید
نرسیدم و چه اندیشیدم۔ ہاں بنده پرورا۔ امروز پنجمیں روز است، کتاب مسوده باز دہند و برمن سپاس
ایں نیز بدانم که چوں بنظرِ مولانا گذشت، کدام[5] عبارت دلآویز منظورِ نظرِ عطوفت گشت۔ امید که از حالِ
کیفیتِ روزه، خاصه دریں تموزِ رواں سوز، آگہی بخشند۔ حق حفظِ صحت ادا و روزه قضا کرده باش

از اسد اللہ [غالباً اگس

(۵) بنام نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ:

بندگی می فرستم، دوامِ دولت و اقبالِ خواجه از یزداں می خواہم، اگر نبشته باشم که
جہاں ستانی امیر تیمور تاجور به نگارش گراں[6] پذیرفته است، بدرگاه می برم و خودش می کشم، خواجه برمن
که فلانے ماه به تفریح[7] سبزه و آبِ رواں می رود و کجا۔ ہیہات چوں منے را سرِ سبزه و تماشا کجا۔ یارب
آخر آں شد که چوں احترام الدولہ بہادر بشہر تشریف ورود بخشید، پیش وے رفتم و آں نگارش کما بیش
کاغذ بوده بوے سپردم۔ پنہاں مباد که من از اندوه ستوہم و از زیستن بیزار۔ ایں کار را بدم سردی
می کنم، عنانِ توسنِ خامه پنداری بدستِ من نیست، خود بہر شیوه که خواہد گام می زند و ره می رود[8]۔ د
مبارک آنچه گماں داشتم به یقین انجامید، یزداں توفیق پرہیز و بذریعۂ پرہیز تندرستی عطا فرماید۔ قرة ا
محمد علی خاں دعا خوانند۔ والسلام [غالباً آخر اگست ۱۸۵۰ء]

---

۱ اصل: پرستش۔ ۲ اصل: صحبت۔ ۳ اصل: سپہر اشہنشاه ۴ اصل: یا
۵ اصل: بکدام۔ ۶ اصل: گراں۔ ۷ اصل: تبصرح۔ ۸ اصل: روند

م محمد مصطفی خاں شیفتہ :

اُمیدگاہِ اہلِ معنی سلامت۔ ریختہ از نتائجِ تازگیٔ[1] فکر است و غزلہای پارسی (کہ تا بنائے آں ہم
بیش ریختہ شدہ بود) امشب بپایاں رسید۔ خدارا دریں ہر دو غزل آں باید نگریست[2] کہ باکہ حرف می زند و چہ می
گوید۔ حالیا جیلہ ایں ابیات را خواستارم و سپاس را، (کذا) بہ رفتار آفریں جوی نبینم۔ ہماں نوید خرسندی
و تندرستی و شادکامی می خواہم و بس۔

م محمد مصطفی خاں شیفتہ :

روز چہار شنبہ یعنی دی روز عرضہ داشتہ ام کہ روزِ آدینہ بارم می دہند و بعطائے خلعت
خطاب و توقیعِ نوکری بر من سپاس می نہند۔ احترام الدولہ بہادر بمقتضائے فحوائے ایں فرد :

فرداست وعدہ جنّت (و) امروز شد نصیب

آرے خلافِ وعدہ کریماں چنیں کنند

ہم امروز کہ روزِ سعدِ اکبر است مرا بہ بزمِ خسروی خواندہ کامیاب خطاب (و) خلعت و فرمانم گرداند۔ دی
شحنۂ شہرہ" بدمعاش" و "میر ابساطم" نوشت، و از من ہیچ نکاست۔ امروز بادشاہِ دہلی نجم الدولہ و دبیر الملک
خواند، و بر من ہیچ نیفزود[3]۔ کانا فرداست (کذا) تا دراں روزم چہ نویسند و بکدام نامم خوانند و دراں چہ
نامم بود۔ یارب بیایند و زود بیایند تا فرمانِ شاہ (و) نگارش ہائے ایں رو سیاہ بنگرند[4]۔ والسّلام اُلوف
الاحترام نگاشتہ یوم الخمیس ۲۳ شعبان و چہارم جولائی ۱۸۵۰ء۔

نہاں نماناد۔ کہ تاریخ نوکریٔ من در سرکارِ شاہ بعہدۂ "تاریخ نویسیٔ اسلاف" ایں خاندان بمشاہرۂ بنجاہ
روپیہ، یکم ہمیں ماہ است، یعنی وصول زرِ تن خواہ در سالے دو بار[5] است۔ فقط

م مصطفی خاں شیفتہ

للہِ الحمد و المنّتہ کہ خواجہ بسر منزلِ نعمت باز[6] رسیدہ، و نورِ دیدۂ خویشتن را دیدہ۔ اُمید
کہ چوں نوز بپایاں رسیدہ، و ہوا خنک گردیدہ است، اعتدالے در مزاج پدید آمدہ باشد، و ہر قدر بکاہد
نشاط افزاید۔ —— دو سہ روز است کہ نگارشِ روداد امیر تیمور گورگان کراں پذیرفت، حالیا خود را بوعدۂ
دو ہفتہ آرامش سر دبخشیدہ ام پس ازاں کہ دم گرفتہ خواہد شد بسر کہ (کذا) ارس و حالِ بابر بادشاہ رفتہ خواہد
شد۔ باللہ فکرِ ایں نثر از فکرِ نظم لختے جانگداز تر است۔ روزِ عید قدمبوسیٔ مولانا دست بہم داد نوازش فرمودند

[1] اصل : تازگیٔ [2] اصل : بگذشت [3] اصل : بفزود [4] اصل : بگیرند [5] اصل : کہ
[6] اصل : نعمت و ناز

و نذر راست کردند — شاه گرد دن بارگاه به مزارِ فائض الانوار قطب الاقطاب روے آورده بو
نزد[1] بادشاه است۔ اگر اتفاق افتاد من نیز می روم و دو سه روز دریں جا روے شفقے دنگا
نگرم۔ چکنم تا آنچه نبشته ام بشما برسد، و دیگر هرچه می نوشته باشم ورق ورق بنظرِ انور
باشد — ورقے چند که نواب فخر الدین خاں نبشتند (که) نزد ایشاں هستند۔ تا انچه فراهم
نوشتند و آں اوراق صورتِ کتاب یافت۔ [غالباً ستمبر ۱۸۵۰ء]

۹ بنام مصطفیٰ خاں شیفتہ:

یارب ایں نامه که از والی لا اُبالی و مولاے فارغ از موالی بمن رسید از
و در آگهی چها فزود مگر دانستم که برام پور کے رفتند و چند روز انجمن آرا بودند، کے باز آمدند
خواهند آمد، ایں ها همه برکنار، آه از من که ندانسته باشم که چه حال دارند، و مرض (که) پیش از
و حالیا نصیبِ اعدای دولت باد، چه صورت دارد۔ ایں رنج که مرا نیز روزگارے دارد در آغاز
لختی گراں بها[2] ست، فضل و کرم است، و خواجه عشرت دوست بزماں نگهباں باد۔ و جان دو
عیش و عشرت مهیا، با آں که سخن ازاں شرحاً نگذشت[3] (کذا)، و ثنا بدعا منتهی گشت؛ هنوز جمله
دسته برلب می زند، (کذا) و مرا هم بداں هنجار به نوا می آورد۔ ناں اے داور، چوں گویم که
همیں است که نگویم۔ وادگر، اینچه اداست که باحصالِ عبارتِ نامه (کذا) جز یک دو بذله، نیز
(کذا) احباب، بزبانِ قلم سخن ها می رود، گوئی ما و شما موجدِ ایں شیوه و مخترعِ ایں ادائیم — من بداں
مرا هیک لطیفه و چند لفظ لدمنز (کذا) وا کنند — ندانستند که جگر تشنهٔ دیدارم، و پنداشتند که
اختبارم[4]، نیندیشیدند[5] که دخبیر، خواه جان و تنِ شماستم۔ نسنجیدند که غالب سرگذشت سفر را چو
شنود، نتواند آسود — نفهمیدند که وعدهٔ دیدارے می خواهد، نخواستند که از حالِ غلام علی خاں مهر
بالله شگفتی فرو ماندم و شگفت (کذا) که استعجاب مرا عجبی ندارند — بارے بندگی و بیچارگی —
نظر کردم۔ ہائے شاعر ریختہ گوے که ندانم کیست چه خوش می گوید ؎

ظالم تو میری سادہ دلی پہ تو رحم کر
روٹھا تھا تجھ سے آپ ہی اور آپ من گیا

---

[1] اصل: نیز [2] اصل: گرانها [3] اصل: سرخانه گذشت [4] اصل: اختبارم [5] اصل: نیند

لح می کنم بدین کہ از حالِ مزاجِ مقدس اولاً و از قصدِ ورودِ دہلی ثانیاً آگہی بخشند۔ زیادہ بندگی بیچارگی

نبشتہ صبح چہار شنبہ ۸ مئی ۱۸۵۰ء

م منشی نبی بخش اکبر آبادی :

شفیقِ مکرم و مطاعِ معظم، اندوہ دیش گوشہ نشین، اسداللہ حزیں، پس از آں کہ سلام خوانند، ورودِ رافت نامہ را کہ فرستادہ، خاطر نشانِ خویش گردانند۔ فرداں ستم زدہ را با خیال آویزشے بود، و نارسیدنِ نامہ از آں سوی لختے مشوش داشت۔ امروز ہمیں دم کہ نیم روز است، بریدِ ڈاک آمد و نامہ آورد۔ خواندن ہماں بود و بپاسخ نگاری نشستن ہماں — چوں کارپردازانِ ڈاک دکان بگاہ می کشایند، و پس از گذشتنِ نیم روز نامہ نمی ستانند، ہر آئینہ ایں ورق کہ امروز نگاشتہ ام فردا چاشت بہ ڈاک خواہم فرستاد۔ بارے آں کہ حالِ من پرسیدہ اند، و غزل از من طلب کردہ اند، باور دارند کہ دل بجاے بود، زبان زمزمہ سراے بود، اکنوں کہ دل آں چناں افسرد کہ گوئی مُرد، چہ بجوش آید، تا لب در خروش۔ نمی نگرند کہ ہم ازیں حکام کہ مرا بر سر و چشم می نشاندند چہ رفت و معاشِ من صورتِ معادِ کفار گرفت۔ سخن چہ گوییم و تا چند باد پیماییم: دو سہ روز است کہ بے رونقیِ کارِ خود را در نظر می سنجیدم، بیتے کہ تخلص نیز داشت، بے خواست بر زبان گذشت، تازہ اگر ہست ہمیں است و بس:

گفتنی نیست کہ بر غالبِ ناکام چہ رفت
می تواں گفت کہ ایں بندہ خداوند نداشت

از آلامِ جسمانی اگرچہ فراوان است، تا المِ (و) اندوہِ روحانی ست کہ دل و جگر را بہم می زند۔ اُفَوِّضُ اَمْرِیْ اِلَی اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ بَصِیْرٌ بِالْعِبَادِ۔ جلیل القدر تفتہ سلمہ اللہ تعالیٰ ندانم کجاست، غزلہائے آں شمعِ بزمِ سخن وری بشما می فرستم، می تواں رساند و می تواں گفت کہ رباعیات بعد ازیں خواہد رسید۔

عبدالقاہر اسداللہ نگاشتہ شدہ ۱۶ ستمبر ۱۸۴۹ء

نام لالہ ہرگوپال تفتہ :

مہربانا رافت نشانا۔ فہرستِ متاعِ کارخانہ خیال، یعنی کلیاتِ آں عدیم المثال رسید، و از رسیدنش رواں آسائی آمد، از دیر باز بسوے شما نگراں بودم۔ و چوں مسکن و مقامِ شما، در نظر نداشتم، نامہ نتوانستم فرستاد۔ شما را چہ براں داشت کہ نامہ نفرستادید و از حالِ خودم آگہی ندادید۔ بارے ازیں التفات نامہ بداں دارسیدم کہ شما را عافیت حاصل و مراد در دلِ شما جاے ہست۔ کلیات را می نگرم

و بر خود لازم گرفتہ ام کہ سر اسر نگرم، و در حک و اصلاح خود را معاف ندارم، امّا این کار زودی
پذیرد، لاجرم اگر در رنگ روے و ہد ملول نشوند - حالیا دو جلد دیوانِ فارسی بہ سبیل پارسل بعد
نمحاے ڈاک می فرستم، و نامۂ بنام نامی مشفقی منشی نبی بخش سررشتہ دارِ عدالتِ فوجداری کو
نشگفت کہ شما را با منشی صاحب آشنائی باشد، و اگر ہم نباشد، بدین تقریب آشنائی
می تواں رفت، و نامہ کہ باسم سامیٔ ایشاں است، با یک جلد دیوان می تواں برد، و نامہ
رساند۔ می توانستم بدیں بزرگوار کتاب جداگانہ فرستادن، امّا خوشتر آں دیدم کہ بشما فرستم
کہ آوازہ خجستگی خوی و فرخی نہاد مکرمی منشی ظہور علی صاحب دام بقاؤہٗ می شنوم، و از ارادت
صاحب دلِ دیدہ ورم، چشم دارم کہ بر من سپاس نہند و از من سلام و نیاز و مشوق بداں حضر
دہند ــــ دیگر، آں سپہرِ سخن را ماہِ دو ہفتہ، یعنی لالہ ہرگوپال تفتہ، از شما آں خواہم اگر
نبود، گاہ گاہ بفرستادنِ نامہ شادم دارید، من خود وعدہ می کنم کہ بعدِ یک ماہ اجزاے
شما را، بطریقِ پارسل بشما خواہم فرستاد، و در آں پس رسم و راہِ نامہ نگاری میانہ ہم بر ہم
از اسد اللہ نامہ سیاہ نگاشتہ بیست (و) ہشتم جمادی الاوّل سنہ ۱۲۶۳ھ مطابق دوازدہم مئی ۴۷

۱۲ بنام مولوی فضل اللہ

حضرت سلامت - این داوری کہ در پیش است، چوں شرح بُن بودنش بجاے خو
است، این مایہ درنگ بر نمی تابد۔ لختے میر قاسم علی صاحب را دلبر ساختہ آید، و تبدے خود
التفات پرداختہ آید، من و ایمانِ من، کہ بر من اندوہ این درنگ گراں است، و دل خود پیش
کہ این بار بروے نہد، ناتوانست ۔ والسّلام خیر ختام اسد اللہ۔

مضمون لفافہ این رقعہ

چوں نامہ رہ جادہ شناسِ منزلِ مقصود نیست، امّید کہ یکے از خواجہ تاشانِ عا
یعنی عزیزے از ملازمانِ حضرت مولوی صاحب قبلہ جناب مولوی محمد صدر الدین خاں بہادر ا
را بہ مخدومی مکرمی مظہرِ اسم خویشتن، لیکن نہ از بہرِ من، جناب مولوی فضل اللہ صاحب زاد
می رساند و منت بر فرستندہ نہد۔

(ج) لفظیات

بر۲) سپری گشتن : ختم ہونا ، گذرنا

سمندر : ایک فرضی کیڑا ، جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آگ میں رہتا ہے اور وہی اس کی غذا ہے یہ سَم (آگ) اور اندروں کا مرکّب ہے ، مخفّف ہو کر سمندر ہو گیا ہے۔

بر۳) رُوان پروری : جاں پروری ، مراد نوازش

برگردیدن : پلٹنا ، واپس ہونا

بر۴) طرف گشتن : مقابل ہونا ، برداشت کرنا

فرا سیدن : پہنچنا ، پالینا (بات کی تہ کو)

کاہل قدمی : کوتاہ قدمی

مبر۵) کراں پذیرفتن : انجام پانا ، مکمل ہونا

خوردہ گرفتن : نکتہ چینی کرنا

شکوہ : اجیرن ، بیزار

دم سردی : بے دلی

نمبر۶) خواستار : خواہندہ ، چاہنے والا

نمبر۷) روز سعد اکبر : مبارک ستارے کا دن ۔ علم نجوم کی رُو سے زہرہ VENUS کو سعد اصغر اور مشتری JUPITER کو سعدِ اکبر کہا جاتا ہے ۔ یہاں مراد پنجشنبہ جو مشتری کا دن ہے ۔

میر بساط : سردار ، سرغنہ (یہاں بدمعاشوں کا سرخیل مراد ہے)

ط نمبر۸) آرامش : آرام (بکسر سوم)

ارس : عالی خاندان

خط نمبر۹) نگرانی : انتظار ، پریشانی

اختبار : مکمل اطلاع

شگفت : بکسر اوّل و دوم ۔ حیرت ، تعجب

خط نمبر۱۰) آویزش : اُلجھنا

معاش : زندگی

معاد : مرنے کے بعد کا معاملہ ، آخرت

تالم : ایذا

عبدالقاہر : قہر کرنے والے کا بندہ۔ یہاں غالب نے اپنے لیے یہ نام طنزاً استعمال کیا
کے وہ معنی سمجھے ہیں جو اُردو میں رائج ہیں۔ عربی میں قاہر کا مفہوم "پورا غلبہ"
ہے۔

(خط نمبر۱۱) روان آسائی : روح کی طمانیت، خوشی
معاف داشتن : کوتاہی کرنا
تقاضائے ڈاک : غالباً ڈاک محصول کے ٹکٹ مراد ہیں

(خط نمبر۱۲) داوری : محاکمہ، قضیہ
سروبن : ایک تناور درخت کا نام، مجازاً معاملے کی اہمیت اور بڑائی کا اظہار
برتافتن : جھیلنا (مجازاً مراد ہے)

[نوٹ: ان الفاظ کا مطلب متعین کرنے میں ایف اسٹائن گاس کی "پرشین انگلش ڈکشنری" گیلانی کی فرہنگ
جیبم کی لغات سے استمداد کی گئی ہے]

(د) اُردو ترجمہ

(۲) بنام شیفتہ

جناب عالی، کل کی گرمی میں جس سے رگوں میں خون جل رہا تھا اور ہڈیوں میں مغز پگھلا جاتا تھا
کی شدت اتنی عام تھی کہ سمندر نے جب تک اپنے تئیں آگ سے نکال کر پانی نہ ڈال دیا ہو گا چین نہ پایا ہو گا۔ چوں کہ میرا
ہے کہ ایک ایک گھونٹ پانی پیتا رہتا ہوں، آپ کو ہر وقت یاد کرتا رہا، پیاس سے اگر دل ایک بار تڑپا تو آپ کی یاد
سو بار تلملایا:

[شعر: عاشقی میں کوئی بھی میری طرح اپنے ہم پیشہ کو پسند نہیں کرتا
میں اگر آب شیریں بھی پیتا ہوں تو مجھے کوہ کن یاد آجاتا ہے]

بارے یہ بتائیے کہ دن کیسے گذرا اور رات کیوں کر کٹی — خاں صاحب نے کیا تجویز کیا ہے؟ آپ نے کل اور آج کون
دوا پی ہے؟ دوسرے یہ کہ اگر میں زندہ رہا تو کل کہاروں کو بھیج دیجئے تاکہ مجھے لے جائیں۔ والسلام۔ از اسداللہ

(۳) بنام شیفتہ

خداوند نعمت کے قربان جاؤں، جان پروری کا شکریہ ادا کرتا ہوں، عطیہ لانے والے نے پوچھے
کچھ اور بھی دیا، یعنی آپ کی صحت اور مزاج مبارک کی عافیت کا مژدہ سنایا، جسے میں نے بطور استعارہ یوں ادا کیا ہے۔
جمعہ ہے، بادشاہ کے دربار میں جاؤں گا، امید ہے کہ واپسی میں آپ کی آستاں بوسی کروں گا۔ حضرت سید کی خدمت میں
سلام پہنچا دیں۔ والسلام۔ از اسداللہ

ہوں کہ آپ نے روزے اور نیند کو ملا لیا ہے، اور میں اِن دونوں میں سے ایک کی بھی مقاومت
یف ہوں، اسی لیے معذرت پیش کر رہا ہوں تاکہ آپ سمجھ جائیں کہ اگر میں حاضرِ خدمت نہ ہوا تو
ہ پرور، آج پانچواں دن ہے کتابِ مسوّدہ واپس کر دیں اور مجھے ممنون فرمائیں۔ کاش مجھے
کی نظر سے گذری تو انھوں نے کس عبارت دلآویز کو پسند فرمایا۔ امید ہے کہ مزاجِ مبارک
رمی میں، روزے کا حال، تحریر فرمائیں گے۔ شاید آپ نے حفظِ صحت کا حق ادا اور روزہ
سد اللہ

ہوں اور خواجہ کی دولت و اقبال کا دوام خدا سے چاہتا ہوں۔ میں نے شاید آپ کو لکھا ہو
تحریر کی جا چکی ہے میں اسے خود دربار میں لے جا رہا ہوں۔ آپ نے مجھ پر خوردہ گیری
آب رواں کی سیر کے لیے گیا تھا۔ افسوس، میرے ایسے انسان کو سیر و تماشا کا دماغ
تھا —— بہرحال یہ ہوا کہ جب احترام الدولہ بہادر شہر میں تشریف لائے تو
کم و بیش چار جزو تھے، اُن کے حوالے کر آیا۔ آپ کو معلوم ہے کہ میں غم سے
یہ کام بہت ہی بے دلی اور افسردگی کے ساتھ کر رہا ہوں۔ گویا توسنِ قلم کی باگیں
اور جیسے چاہتا ہے چلتا رہتا ہے۔ مزاجِ مبارک کا حال، جیسا مجھے گماں تھا وہی
ذریعے تندرستی عطا فرمائے۔ نورچشم محمد علی خاں کو دعا۔ والسلام۔

سلامت۔ ریختہ تازگیٔ فکر کے نتائج میں سے ہے اور فارسی کی غزلیں جن کی ابتدا
ہوئیں۔ خدارا اِن دونوں غزلوں میں یہ نہ بھولیے کہ کس سے گفتگو ہے اور کیا کہا ہے؟
...... میں عجلت کی داد نہیں چاہتا۔ آپ کی خوشی، تندرستی اور شادکامی

ل میں نے عرض کیا تھا کہ جمعہ کے دن مجھے دربار میں باریابی ملے گی اور خلعت و خطاب
سے احسان مند کیا جائے گا۔ لیکن احترام الدّولہ بہادر نے اس شعر کے مصداق:
ہ تو کل کا تھا، مگر آج ہی نصیب ہو گئی
لوگ ایسی ہی وعدہ خلافی کیا کرتے ہیں!]
مجھے شہنشاہ کے دربار میں بلایا اور خلعت و خطاب و فرمان سے سرفراز کیا۔

کل کوتوال شہر نے مجھے "بدمعاش" اور "سرغنہ" لکھا تھا، تو میرا کچھ نہ گھٹا تھا، آج بادشاہ دہلی نے "نجم الدولہ" کا خطاب دیا ہے تو کچھ بڑھ نہیں گیا اب فردائے قیامت میں دیکھنا ہے کہ مجھے کیا لکھا جاتا ہے، کس نام سے پکا اور وہاں میری کیا ارزش ہوتی ہے ـــ خدا کے لیے آیئے اور جلدی آیئے تاکہ آپ شاہی فرمان اور اس رد دیکھ لیں۔ والسّلام اُلوف الاحترام - جمعرات ۲۳، شعبان و ۴، جولائی ۱۸۵۰ء

(باز نوشت) پوشیدہ نہ رہے کہ سرکار شاہ میں میرا تقرر اسی مہینے کی پہلی تاریخ سے اس خاندان کے اسلاف پر ہوا ہے۔ پچاس روپے تن خواہ ہوگی - اور زرِ تن خواہ کی وصولی سال میں دو بار ہوگی۔ فقط۔

(۸) بنام شیفتہ

خدا کا شکر اور احسان ہے کہ آپ واپس تشریف لے آئے اور اپنے نور چشم کو دیکھ لیا اب گرمی ختم ہو چلی ہے اور ہوا بھی کچھ ٹھنڈی ہو گئی ہے، اُمید ہے کہ آپ کے مزاج میں اب اعتدال آگیا ہوگا گرمی گھٹتی جائے گی آپ کی صحت عود کرتی جائے گی۔ دو تین دن ہوئے کہ امیر تیمور گورگان کی روداد لکھ کر نمٹا ہوں ہفتے تک آرام کروں گا، پھر دم لے کر بابر بادشاہ کا حال لکھا جائے گا۔ بخدا اس نثر میں نظم سے کچھ زیادہ ہی جا کرنا پڑتی ہے۔ عید کے دن مولانا کی قدم بوسی نصیب ہوئی، اُنھوں نے نوازش فرمائی اور نثر کی تعریف کی۔ شاہ گردو (ظفر) حضرت قطب الاقطاب کے مزار کی طرف (مہرولی) تشریف لے گئے ہیں اور احترام الدولہ بادشاہ کے ساتھ موقع ملا تو میں بھی جاؤں گا اور دو تین دن رہ کر وہاں کا موسم اور ہوا کا رنگ دیکھوں گا۔ کیا تدبیر کروں کہ جو کچھ میں ہے وہ آپ تک پہنچ جائے اور آگے جو کچھ لکھتا رہوں وہ ایک ایک ورق کر کے آپ کی نظر سے گذرتا ہے۔ چند نواب فخر الدین خاں نے لکھے تھے وہ اُنھیں کے پاس ہیں اور جو کچھ ملتا رہتا ہے لکھتے رہتے ہیں تا آں کہ اُن اور کتاب کی صورت اختیار کر لی۔

(۹) بنام شیفتہ

یا اللہ ـــ یہ خط جولاُبالی، اور غلاموں سے بے نیاز آقا کی طرف سے میرے پاس پہنچا ہے آخر میرے تردد میں سے کیا گھٹایا اور آگہی میں کیا اضافہ کیا؟ بس یہ جانا کہ رامپور کب گئے اور چند روز وہاں رہ کر کب واپس آئے، اور دہلی کب آئیں گے۔ یہ سب باتیں ایک طرف۔ حیف ہے مجھ پر جسے یہ نہ معلوم ہو سکا کہ مزاج کا کیا حال ہے، جو مرض پہلے تھا، اور خدا کرے اب دشمنوں کے حصے میں آیا ہو، اس کی کیا کیفیت ہے؟[۱] نے مجھے بھی بہت دنوں تک آزار پہنچایا ہے اس لیے زیادہ تردد ہے کیونکہ خدا کا فضل و کرم ہے اور آپ عشرت دو واقع ہوئے ہیں، اللہ ہی نگہبانی کرنے والا ہے، جان و تن توانا اور عیش و عشرت مہیا ہیں بہر حال یہ بات کتابوں میں

---

[۱] یہاں سے آگے تو مین کی عبارت صاف نہیں ہے، مطلب مشکل سے سمجھ میں آتا ہے، میں نے محض اٹکل سے ترجمہ ممکن ہے اس میں مجھ سے غلطی ہوئی ہو، اصل فارسی عبارت پوری احتیاط کے ساتھ جوں کی توں نقل کر دی گئی ہے اور ا حاشیے میں بتا دیے ہیں۔

اور تعریف و دعا پر منتہی ہوئی۔ (یہاں سے عبارت مخدوش ہے اور مطلب صاف نہیں نکلتا) ..... ہاں ہائے خدا کیسے کہوں کہ
اجائے پیدا و گر یہی ہے جس کا میں نام نہیں لیتا ...... (عبارت مخدوش) ...... ہم تم اس شیوہ کے موجد اور اس ادا کے
کی مخترع ہیں۔ کیا میں اسی لائق ہوں کہ مجھے ایک لطیفہ اور چند باتوں (پر ٹرخا دیا جائے) ۔ آپ نے یہ نہ جانا کہ میں دیدار کا
شدید پیاسا ہوں، یہ نہ سمجھا کہ آپ کی مفصل کیفیت معلوم کرنے کا جویا ہوں، یہ بھی دھیان نہ آیا کہ آپ کی جان و تن کا
تا خیریت خواہ ہوں۔ یہ نہ سوچا کہ غالبؔ سفر رامپور کی سرگذشت سن کر آسودہ نہ ہوگا۔ یہ نہ جانا کہ وہ دیدار کا وعدہ چاہتا ہے
اور یہ بھی آپ نے نہ چاہا کہ غلام علی خاں کا کچھ حال لکھیں۔ بخدا میں حیرت میں ڈوب گیا .....] بہر حال بندگی بے چارگی۔ میں نے
سب باتوں سے قطع نظر کی۔ ہائے ایک شاعر ریختہ گو، معلوم نہیں کون ہے، کیا ہی اچھی بات کہہ گیا ہے :

ظالم تو میری سادہ دلی پر تو رحم کر
روٹھا تھا تجھ سے آپ ہی اور آپ من گیا

اب اس پر صلح کرتا ہوں کہ مجھے پہلے تو مزاجِ مقدس کے حال سے پھر اپنے دہلی آنے کے ارادے سے آگاہی بخشیں زیادہ وہ بندگی
جانا بے چارگی ——— لکھا ہوا ، بدھ کی صبح ، ۸؍ مئی ۱۸۵۰ء

بنام منشی نبی بخش حقیر :

شفیق مکرم و مطاعِ معظم ، درویش گوشہ نشین اسد اللہ حزیں سے بعد سلام معلوم فرمائیں اور پھر
اپنے بھیجے ہوئے عنایت نامے کے پہنچنے کا اطمینان فرمائیں۔ کل دل ستم زدہ کو خیال سے کچھ آویزش تھی اور آپ کا خط نہ آنے سے
قدرے تشویش تھی۔ آج اسی وقت کہ دوپہر ہے، ڈاک کا ہرکارہ آیا اور آپ کا خط لایا پڑھتے ہی جواب لکھنے بیٹھ گیا چونکہ کارپردازان
ڈاک صبح کو دوکان کھولتے ہیں اور دوپہر کے بعد خطوط وصول نہیں کرتے اب لامحالہ یہ ورق جو آج لکھا ہے کل صبح کی ڈاک سے
بھیجوں گا۔ بارے یہ کہ آپ نے میرا حال پوچھا ہے اور مجھ سے غزل طلب کی ہے یقین کیجئے کہ دل ٹھکانے ہوتا ہے تو زبان
بھی زمزمہ سنج ہوتی ہے اب تو دل اتنا بجھ گیا ہے گویا مر گیا، تو جوش کہاں سے آئے جو لبوں کو جنبش ہو۔ آپ نہیں دیکھتے
کہ انھیں حکام سے جو مجھے سر آنکھوں پر بٹھاتے تھے مجھ پر کیا بیتی اور میری زندگی کافروں کی عاقبت جیسی ہو گئی۔ شاعری کی طرف
دل کیا مائل ہو اور کیا بادہ پیمائی کروں۔ دو تین روز ہوئے اپنے حال کی بے رونقی کا خیال کر رہا تھا، ایک شعر جس میں تخلص بھی ہے
بے ارادہ زبان پر جاری ہو گیا، بس تازہ ہے تو یہی ہے :

[شعر : بیاں میں نہیں آسکتا کہ غالبؔ ناکام پہ کیا
گذر گئی۔ بس یہی کہا جا سکتا ہے کہ اس بندے کا خدا نہ تھا]

آلام جسمانی بھی اگرچہ بہت ہیں لیکن اندوہ روحانی اُن سے کہیں بڑھ گئے جو دل و جگر دونوں کو تباہ کر رہے ہیں۔ (عربی : میں اپنا معاملہ
خدا کے سپرد کرتا ہوں یقیناً خدا بندوں کے معاملات کو دیکھنے والا ہے) جلیل القدر تفتہ سلمہ کا حال نہیں معلوم کہاں ہیں۔ بس
شمع بزم سخن وری کی غزلیں تمھیں بھیج رہا ہوں اُن تک پہنچا دیجئے اور یہ کہہ دیجئے کہ رباعیات اس کے بعد پہنچیں گی۔

عبدالقاہر اسد اللہ۔ لکھا ہوا ۱۶۔ ستمبر ۱۸۴۸ء

(۱۱) بنام ہرگوپال تفتہ :

مہربانا ، رافت نشانا ، متاع کارخانۂ خیال کی فہرست یعنی آں عدیم المثال (تفتہ) کا کلیات پہنچا۔ اور اس کے پہنچنے سے روح کو طمانیت ہوئی۔ بہت دنوں سے تمہارا منتظر تھا لیکن چونکہ تمہارے مسکن و مقام کا پتا معلوم نہ تھا، خط نہ لکھ سکا مگر تمہیں آخر کون مانع تھا جو تم نے خط نہ لکھا اور اپنے احوال سے مجھے مطلع نہ کیا۔ بارے اس التفات نامے سے مجھے یہ معلوم ہو گیا کہ خیریت سے ہو اور میرے لیے تمہارے دل میں جگہ ہے۔ کلیات دیکھ رہا ہوں اور میں نے اپنے اوپر یہ لازم کر لیا ہے کہ شروع سے آخر تک اُسے دیکھوں اور حک و اصلاح میں قطعاً کوتاہی نہ کروں لیکن یہ کام جلدی نہ ہو سکے گا، اگر دیر ہو جائے تو ملول نہ ہونا۔ یہ کہ دیوان فارسی کی دو جلدیں ڈاک کا محصول ادا کرنے کے بعد بھیج رہا ہوں اور ایک خط بھی مشفقی منشی نبی بخش سر رشتہ دار عدالت فوجداری کول (علی گڑھ) کے نام ہے۔ عجب نہیں کہ تمہاری منشی صاحب سے شناسائی ہو اور نہ بھی ہو تو اس تقریب سے ہو سکتی ہے۔ اُن کے پاس جاؤ اور جو خط ان کے نام کا ہے وہ اور ایک جلد دیوان اپنے ساتھ لے جاؤ اور یہ نامہ اور وہ کتاب انھیں دے دو۔ میں ان بزرگوار کو علیحدہ ڈاک سے بھی کتاب بھیج سکتا تھا لیکن یہی اچھا معلوم ہوا کہ تمہارے پاس بھیج دوں۔ بہت دنوں سے خجستگی خوے و فرخی نہاد مکرمی منشی ظہور علی صاحب دام لطفہٗ کا آوازہ سن رہا ہوں اور اس صاحبدل دیدہ ور کے ارادت مندوں میں سے ہوں، امید ہے کہ تم میرا سلام نیاز و شوق اُن کی خدمت میں پہنچا کر مجھے ممنون کرو گے ——— اور پیر کے ماہ دو ہفتہ یعنی لالہ ہرگوپال تفتہ تم سے یہ بھی چاہتا ہوں کہ اگر جلد جلد نہ ہو سکے تو کبھی کبھی خط لکھ کر مجھے شاد کرتے رہا کرو۔ میں بھی وعدہ کرتا ہوں کہ ایک ماہ کے بعد تمہارے دیوان کے اجزا تمہیں پارسل کے ذریعے بھیج دوں گا اور رسم و راہ نامہ نگاری اس درمیان میں نہیں ٹوٹنے گی۔ از اسد اللہ نامہ سیاہ، نگاشتہ ۸ جمادی الاول ۱۲۶۳ھ مطابق ۱۲ مئی ۱۸۴۷ء

(۱۲) بنام مولوی فضل اللہ

حضرت سلامت ، یہ محاکمہ جو درپیش ہے ، بہت اہم ہے اور اتنی تاخیر کی تاب نہیں لا سکتا، کچھ میر قاسم صاحب کو دلیر بنانا چاہیے اور کچھ خود آپ کو توجہ فرمانی چاہیے۔ میں ایمان سے کہتا ہوں کہ مجھے یہ تاخیر بہت شاق گذر رہی اور دل اس کے بوجھ کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ والسلام خیر ختام اسد اللہ

اس کے لفافے کا پتا

چونکہ نامہ بر منزل مقصود کو نہیں پہنچاتا امید ہے کہ غالب کے خواجہ تاشوں میں سے کوئی، یعنی حضرت مولوی صاحب قبلہ مولوی صدر الدین خاں کی خدمت کے حاضر باشوں میں سے کوئی عزیز، اس خط کو مخدومی و مکرمی مولوی فضل اللہ، (جو اسم بامسمیٰ ہیں مگر میرے لیے نہیں)، کی خدمت میں پہنچا کر بھیجنے والے پر احسان کرے گا۔

(۸) توضیحات

(خط نمبر ۱) : ——— ہرگوپال تفتہ کے نام غالب کا یہ خط جون ۱۸۵۴ء کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اس میں غالب نے چار مہینے سے تب لرزہ میں گرفتار ہونے کا ذکر کیا ہے۔ تفتہ کو ۲ مارچ ۱۸۵۴ء کے مکتوب میں غالب نے لکھا تھا :

"منشی صاحب تمہارا خط اس دن، یعنی کل بدھ کے دن پہنچا، کہ میں چار دن سے لرزے میں مبتلا ہوں اور مزا یہ ہے کہ جس دن سے لرزہ چڑھا ہے کھانا مطلق میں نے نہیں کھایا، آج پنجشنبہ، پانچواں دن ہے کہ نہ کھانا دن کو میسر ہے اور نہ رات کو شراب ...... اشعار سابق و حال میرے پاس امانت ہیں بعد اچھے ہوتے کے ان کو دیکھوں گا اور تم کو بھیجوں گا۔ اتنی سطریں مجھ سے بہزار جرِ ثقیل لکھی گئی ہیں" [ر ک: خطوط غالب (جلد اوّل) مرتبہ مہیش پرشاد، الہ آباد، ۱۹۴۱ء صفحہ ۲۶]

مندرجہ بالا تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ غالب ۲۶ فروری ۱۸۵۴ء کو لرزے میں مبتلا ہوئے تھے اور ہمارے پیش کردہ خط سے ظاہر ہوا کہ بیماری کا یہ سلسلہ چار مہینے تک جاری رہا، اسی شہادت کی روشنی میں ہم نے (خط نمبر ۱) کا زمانہ کتابت جون ۱۸۵۴ء متعین کیا ہے۔ خطوط غالب مرتبہ مہیش پرشاد میں شیفتہ کے نام خط نمبر ۲۵ (مکتوبہ ۲ مارچ ۱۸۵۴ء) اور خط نمبر ۲۶ (مکتوبہ جولائی ۱۸۵۴ء) ہے، گویا اس عرصے میں شیفتہ و غالب کے درمیان بہت کم خط کتابت رہی۔ یہ خط مجموعہ مکاتیب میں شمول کے وقت باعتبار زمانہ ۲ مارچ ۱۸۵۴ء کے خط کے بعد آئے گا۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شیفتہ نے اپنے دیوانِ فارسی کا مسودہ نظر ثانی و اصلاح کے لیے غالب کے پاس بھیجا تھا شیفتہ بہت پر گو شاعر تھے، کثرت سے اپنا کلام اصلاح کے لیے بھیجتے تھے۔ غالب بھی اُن کی زود گوئی سے تنگ تھے اور بلطائف الحیل ٹالتے رہتے تھے، بلکہ گھبرا جاتے تھے۔

"کول تو معلوم مگر مکان آپ کا نہیں معلوم"۔ کول، علی گڑھ کا قدیم نام ہے۔ مکان نہ معلوم ہونے سے قیاس ہوتا ہے کہ شیفتہ اسی زمانے میں علی گڑھ گئے ہوں گے یا انھوں نے اپنا مکان تبدیل کیا ہوگا۔ اس خط سے ضمناً یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ شیفتہ ۱۸۵۴ء میں علی گڑھ کے کس محلے میں سکونت پذیر تھے۔ [شیفتہ کے حالات کے لیے رجوع کیجیے: مالک رام: تلامذۂ غالب صفحات ۶۳ تا ۶۶]

(خط نمبر ۲) ب —— نمبر ۲ سے ۹ تک فارسی کے آٹھ رقعات نواب محمد مصطفیٰ خاں شیفتہ و حسرتی کے نام ہیں۔ غالب انھیں اکثر فارسی ہی میں لکھتے تھے۔ چناں چہ ایک جگہ خواجہ غلام غوث بے خبر کو لکھتے ہیں:

"آپ کو معلوم رہے کہ منشی حبیب اللہ ذکا اور نواب مصطفیٰ خاں حسرتی کو کبھی اُردو خط نہیں لکھا .... نواب صاحب کو یوں لکھا جاتا ہے: کہار آیا، خط لایا، آم پہنچے، کچھ بانٹے، کچھ کھائے۔ بچوں کو دعا، بچوں کو (کی؟) بندگی ...." (خطوطِ غالب مرتبہ مہر/ ۳۴۷)

لیکن یہ صحیح نہیں کہ کبھی اردو خط نہیں لکھا، خود عود ہندی میں نواب محمد مصطفیٰ خاں شیفتہ کے نام ایک اردو خط شامل ہے (ر ک: خطوط غالب مرتبہ مہر/ ۹۷ د)

زیر بحث خط میں گرمی کی شدت اور شیفتہ کی بیماری کا ذکر ہے۔ شیفتہ سوداوی مزاج کی وجہ سے اکثر اختراق دم وغیرہ کی بیماری میں مبتلا رہتے تھے ان کی عیش پسندی اور بھی سونے پر سہاگے کا کام کرتی تھی (ر ک: خط نمبر ۹)

خان صاحب سے یقیناً شیفتہ کے معالج مراد ہیں اور وہ حکیم امام الدین خاں، حکیم احسن اللہ خاں یا حکیم محمود خاں

میں سے کوئی ہو سکتے ہیں۔ قرینہ یہ کہتا ہے کہ حکیم احسن اللہ خاں کی طرف اشارہ ہے۔

(خط نمبر ۳) :—— اس خط میں کسی تحفے کی رسید دی ہے۔ شیفتہ اکثر ہدایا بھیجتے رہتے تھے۔ آم چونکہ غالب کو مرغوب تھے اور شیفتہ اکثر بھیجا کرتے تھے، نیز یہ خط موسم گرما میں لکھا گیا ہے اس لیے قرین قیاس یہی ہے کہ آموں کا تحفہ ہوگا۔ یہ خط جمعرات کے دن لکھا گیا ہے اور اگلے دن دربار میں حاضری دینے کا ذکر ہے۔ غالب ہر جمعے کو بہادر شاہ ظفر کے دربار میں باریاب ہوا کرتے تھے۔ حضرت سید سے کون بزرگوار مراد ہیں، وثوق سے نہیں کہا جا سکتا۔

(خط نمبر ۴) :—— یہ رقعہ ماہ رمضان کا لکھا ہوا ہے اور اس میں جس مسودہ کتاب کا ذکر ہے وہ قریب یہ ہے کہ مہر نیمروز کے اوراق ہوں گے۔ مولانا سے دو ہی شخصیات مراد ہو سکتی ہیں! مولانا فضل حق خیر آبادی یا مفتی صدر الدین خاں آزردہ۔ میرا قیاس ہے کہ یہ رقعہ اواخر جولائی یا اوائل اگست ۱۸۵۰ء کا لکھا ہوا ہے۔

(خط نمبر ۵) :—— اس خط میں غالب نے امیر تیمور تک کی روداد اتمام پذیر ہونے کی اطلاع دی ہے۔ غالب جولائی ۱۸۵۰ء میں تاریخ نویسیٔ اسلاف کی خدمت پر مامور ہوئے تھے (رک : خط نمبر ۷) ابتداءً یہ طے ہوا تھا کہ امیر تیمور سے بہادر شاہ ظفر تک کے حالات لکھے جائیں گے۔ جب غالب نے ہمایوں تک کے حالات لکھ لیے (مآخذ اور تاریخی کتابوں کی چھان بین کی کھکھیڑ ان سے برداشت نہ ہو سکی تو انھوں نے یہ شرط لگائی کہ مواد حکیم احسن اللہ خاں فراہم کر کے دیں اور میں بطور خود اسے فارسی نثر میں منتقل کرتا جاؤں۔ اس مرحلے پر بہادر شاہ نے یہ حکم دیا کہ ابتدائے آفرینش عالم سے تاریخ کا آغاز ہونا چاہیے۔ غالب نے اب مجوزہ تاریخ "پرتوستان" کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ پہلا حصہ ابتدائے عالم سے ہمایوں بادشاہ تک اور دوسرا عہدِ اکبری سے دورِ ظفر تک۔ جلد اول کا نام "مہر نیمروز" اور دوم کا "ماہِ نیم ماہ" رکھا گیا۔ غالب نے اگرچہ مارچ ۱۸۵۱ء میں امیر تیمور سے ہمایوں تک کا حال لکھ لیا تھا (رک : نادرات غالب / ۸) لیکن بعد میں انھیں ابتدائے عالم سے تیمور تک کے حالات لکھ کر اضافہ کرنا پڑے۔ حکیم احسن اللہ خاں بھی حالات فراہم کرنے میں ڈھیل دیتے رہے۔ مارچ ۱۸۵۲ء تک کام تعویق ہی میں پڑا رہا (تفصیلات کے لیے رجوع : ذکر غالب (طبع سوم) صفحہ ۱۴۷ تا ۱۵۲ نیز مقدمہ نادرات غالب صفحات ۵ تا ۶۲) مہر نیمروز کے بارے میں مولوی رجب علی کو ایک خط میں (مارچ ۱۸۵۲ء) غالب نے لکھا ہے :

"آں سواد جزوے چند بیش نیست ..... از کشور کشایان تا نصیر الدین
سلطان ہمایوں سخن راندہ ایم۔ باقی داستان فرداست"

اس سے ظاہر ہے کہ وہ مارچ ۱۸۵۲ء میں عہد ہمایوں تک لکھ چکے تھے۔ مہر نیمروز پہلی بار ۱۸۵۴ء میں فخر المطابع دہلی سے شائع ہوئی (ذکر غالب / ۱۵۱)

مرزا کے خطوط سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے جنوری ۱۸۵۱ء میں تیمور سے بابر تک کے حالات لکھ لیے تھے اور بارگاہ سلطانی میں پیش کرنے کے لیے مسودہ بھی صاف کرانے لگے تھے۔ ۲ جنوری ۱۸۵۱ء کے ایک خط موسومہ منشی نبی بخش حقیر میں لکھتے ہیں :

"ہاں صاحب۔ اب بابر بادشاہ کا حال تمام لکھ چکا ہوں...... اب چھے مہینے پورے ہو چکے جولائی سے دسمبر ۱۸۵۰ء تک۔ اب میں دیکھوں یہ ششماہہ مجھے کیونکر ملتا ہے بعد اس کے ملنے کے اگر آئندہ ماہ بماہ کر دیں گے تو تو میں لکھوں گا ورنہ اس خدمت کو میرا سلام ہے، ابھی بابر کا حال حضور میں نہیں بھیجا۔ کل مسودہ تمام ہوا، صاف ہو رہا ہے۔ اب صاف کر کر دے دوں گا اور ماہ بماہ کی استدعا کروں گا۔ چھ ماہی آخر ہونے کو تھی اس واسطے متوجہ ہو کر میں نے اس کو تمام کیا۔ اس سبب سے فرصت تم کو لکھنے کی نہ ہوئی۔ (نادراتِ غالب/۸)

یہ غالب نے بابر کا حال یکم جنوری ۱۸۵۱ء تک لکھ لیا تھا اور مارچ ۱۸۵۱ء میں ہمایوں کی روداد بھی لکھ چکے تھے (رک: نادراتِ غالب/۱۱) اس لیے قیاس ہوتا ہے کہ ہمارا پیش کردہ خط نمبر ۵ جنوری ۱۸۵۱ء سے بہرحال پہلے لکھا گیا ہے چونکہ اس میں بادشاہ اور حکیم احسن اللہ خاں کے "تفریح سبزہ و آب رواں" پر جانے کا اشارہ ملتا ہے اس لیے یہ برسات کا موسم ہونا چاہیے۔ بدیں اسباب میں اس خط کو اواخر اگست ۱۸۵۰ء کا نوشتہ سمجھتا ہوں۔

اس میں محمد علی خاں کا حوالہ بھی ملتا ہے۔ یہ شیفتہ کے فرزند اکبر نواب محمد علی خاں رشکی ہیں جو ۱۸۴۴ء میں پیدا ہوئے تھے۔ غالب ہی انھیں کے اتالیق مقرر ہوئے تھے۔ رشکی اردو اور فارسی میں شعر بھی کہتے تھے اور غالب سے مشورہ کرتے تھے۔ انھوں نے مئی ۱۸۹۹ء میں انتقال کیا۔ درگاہ حضرت نظام الدین رح میں دفن ہوئے۔ یہ مشہور شعر رشکی ہی کا ہے:

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

تفصیلی حالات کے لیے رک: تلامذۂ غالب/۱۱۷)

(خط نمبر ۶): —— اس رقعے سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ غالب نے اپنی دو تازہ غزلیں شیفتہ کو بھیجی تھیں۔

(خط نمبر ۷): —— یہ خط بہت اہم ہے۔ یہ اسی روز لکھا گیا ہے جس دن غالب کو دربار ظفر سے خلعت و خطاب ملا ہے اور ان کی ملازمت کا فرمان جاری ہوا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خلعت و خطاب کے لیے ۵ جولائی ۱۸۵۰ء یوم جمعہ طے ہوا تھا، لیکن انھیں ایک دن پہلے ہی ۲۳ شعبان مطابق ۴ جولائی (۱۸۵۰ء) کو پنجشنبہ کے دن باریابی مل گئی۔ اس رقعہ سے اس غلطی کی تصحیح بھی ہو جاتی ہے جو غالب کے سہو قلم سے کلیات نثر فارسی (صفحہ ۱۲۷) میں رہ گئی ہے۔ وہاں غالب نے ۴ جولائی کی جگہ ۴ جون لکھ دیا ہے حالانکہ ۲۳ شعبان ۱۲۶۶ھ کو جمعرات کا دن اور جولائی کی چوتھی تاریخ تھی۔ لیکن اس رقعہ میں بھی ایک فروگذاشت یہ ہے کہ اپنا خطاب غالب نے پورا نہیں لکھا۔ انھیں "نجم الدولہ دبیر الملک" کے ساتھ نظام جنگ کا خطاب بھی عطا ہوا تھا [رک: ذکر غالب/۸۹-۹۰] اس خلعت و خطاب اور قلعہ کی ملازمت سے غالب کو جو خوشی ہوئی تھی وہ اس خط سے ظاہر ہے۔ انھیں یہ احساس تھا کہ حادثۂ اسیری نے جو داغ "بدمعاشی و قمار بساطی" کا ان کے دامن پر لگایا تھا وہ کسی حد تک اس خلعت سے ڈھک جائے گا۔

اس خط سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ غالب اگرچہ ۴ جولائی ۱۸۵۰ء کو سلک ملازمت میں آئے تھے مگر یکم جولائی ۱۸۵۰ء ہی سے تسلیم کیا گیا تھا اور سال میں دو بار تن خواہ ملنا طے ہوا تھا، لیکن اس سے غالب کا کام سکتا تھا انھوں نے دیکھا کہ تن خواہ ۶ - ۶ مہینے میں ملتی ہے اور وہ بھی متصدیوں کی ہزار خوشامد کے بعد۔ کادار و مدار قرض پر ہے تو جنوری ۱۸۵۱ء میں، گویا ایک ہی قسط وصول کرنے کے بعد، انھوں نے وہ مشہور منظوم لکھی:-

میری تن خواہ کیجئے ماہ بماہ   تا نہ ہو مجھ کو زندگی دشوار

غالباً ان کی یہ درخواست منظور ہو گئی تھی۔

(خط نمبر ۸):—— یہ خط بھی شیفتہ کے نام ہے۔ اس میں ان کے کسی سفر سے واپس آنے کا ذکر جس میں امیر تیمور کی روداد مکمل ہو جانے کا حوالہ بھی ملتا ہے یہ غالب نے جولائی ۱۸۵۰ء ہی میں مکمل کر لی تھی۔

عید کے دن قدمبوسیٔ مولانا سے غالباً مفتی صدر الدین خاں آزردہ سے ملاقات ہونا مراد ہے۔ اگر یہ کا مانا جائے تو اس سال ۳۰ جولائی کو عید ہوئی تھی۔ اس لحاظ سے یہ تحریر اگست ۱۸۵۰ء کے نصف اول کی ہو اس خط کے یہ فقرے: "چوں تموز بپایاں رسیدہ است و ہوا خنک گردیدہ" بھی یہی ظاہر کرتے ہیں کہ یہ خط اگست کا ہو سکتا ہے۔ بہادر شاہ ظفر موسم برسات میں قطب جایا کرتے تھے اس خط میں اس کا حوالہ بھی ہے۔

فخر الدین خاں غالب کے مسودات صاف کیا کرتے تھے اکثر خطوط میں ان کا تذکرہ ملتا ہے۔

(خط نمبر ۹):—— یہ خط بھی اسی زمانے کا ہے جب شیفتہ سفر رامپور سے واپس آئے ہیں (غالباً اگست اس میں شیفتہ کی عشرت دوستی کی طرف بڑے لطیف انداز میں اشارہ کیا گیا ہے۔ وہ غالباً احتراق الدم کے مریض اور شراب و شاہد کی دوستی نے اس مرض کو اور بھی استوار کر دیا تھا۔ غالب کہتے ہیں کہ میں بھی اس آزار میں مدتوں مبتلا ہوں اور آپ کی طرف سے دھڑکا لگا رہتا ہے کیونکہ خدا کے فضل سے عیش و عشرت کے سارے ہی ساماں مہیا ہیں اور جسم توانا ہیں۔ خدا ہی حافظ ہے "اے داد رچوں گویم کہ بید او کر ہمیں است کہ نگویم" اس میں شیفتہ کے رتجو سے تعلقات اشارہ ہے۔ یہ اپنے زمانے کی ایک طرح دار عورت تھی۔ (د ر ک: تلامذۂ غالب ۷۸/ احاشیہ) اور شیفتہ سے ان تعلقات کا حال اکثر تذکرہ نگاروں نے کیا ہے۔ یہ شاعرہ تھی اور نزاکت تخلص کرتی تھی۔

اس میں غلام علی خاں کا بھی حوالہ ہے۔ ان کے بارے میں سر دست کچھ کہنے سے قاصر ہوں۔ اردو کا جو شعر نقل یہ قائم چاندپوری کا ہے (قلمی نسخہ انڈیا آفس لندن) یہ شعر غالب نے خواجہ غلام غوث بے خبر کو بھی ایک خط (۷ مارچ ۱۸۶۴ء) لکھا تھا:

"جناب عالی، ایک شعر استاد کا مدت سے تحویل حافظہ چلا آتا ہے:

ظالم تو میری سادہ دلی پر تو رحم کر
روٹھا تھا تجھ سے آپ ہی اور آپ من گیا

میں نے ازراہ تصرف اس شعر کی صورت بدل ڈالی:

ان دل فریبیوں سے نہ کیوں اس پہ پیار آئے
روٹھا جو بے گناہ تو بے عذر من گیا ..... " (خطوط غالب مرتبہ مہر/۳۲۹)

(خط نمبر ۱۰): ——— منشی نبی بخش حقیر (متوفی ۱۸۶۰ء) کے نام یہ خط ۱۶؍ستمبر ۱۸۴۵ء کا لکھا ہوا ہے اور اس پر تقدم زمانی رکھتا ہے جو کلیاتِ نثرِ غالب فارسی میں شامل ہے (پنج آہنگ/۱۰۳) اور اسے میں اپنے مضمون "حادثۂ اسیری غالب" (نقوش ۹۴/جولائی ۱۹۶۲ء) میں درج کر چکا ہوں۔ اس میں غالب نے اپنا فارسی شعر:

گفتنی نیست کہ بر غالب ناکام چہ رفت
می تواں گفت کہ ایں بندہ خداوند نداشت

لکھا ہے اور اسے "تازہ ترین" بتایا ہے۔ اس خط کے اعتبار سے یہ شعر ۱۲؍ستمبر ۱۸۴۵ء کا لکھا ہوا ہے لیکن یہی شعر منشی نبی بخش کے موسومہ خط (مورخہ ۲۲ فروری ۱۸۴۵ء کے آغاز میں نقل ہوا ہے (کلیات نثر غالب فارسی/۱۰۳) اب یہ معما حل طلب رہا کہ جو شعر غالب نے ستمبر ۱۸۴۵ء میں لکھا ہے اور یہ بتایا ہے کہ دو تین دن قبل فی البدیہہ ہوا تھا، وہ انھوں نے فروری ۱۸۴۵ء کے خط میں کیسے لکھ دیا؟ ہم نے جس بیاض سے یہ خطوط اخذ کئے ہیں اُن میں پہلے خط (مشمولہ پنج آہنگ) کے آغاز میں یہ شعر نہیں ہے۔ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ کلیات نثر میں شمول کے وقت غالب نے اس کا اضافہ کر دیا ہوگا جیسا کہ انھوں نے بعض الفاظ تبدیل کئے تھے اور آخر سے ریختہ کی غزل نکال دی تھی۔

یہ اختلافات محولہ بالا مضمون میں ظاہر کر چکا ہوں۔

یہ خط حادثۂ اسیری کے بعد لکھا گیا ہے اور اس زمانے میں غالب کے دل و دماغ پر حزن و ملال کے جو اثرات مستولی تھے وہ اس خط میں بھی محسوس کئے جا سکتے ہیں۔ اس فارسی شعر میں بھی اسی حزن و یاس کا غلبہ ہے۔ اسی مفہوم کو اُردو میں انھوں نے یوں ادا کیا ہے:

زندگی اپنی جب اس رنگ سے گذری غالب
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے (دیوان غالب نسخہ عرشی/۲۳۴)

اس شعر کے سلسلے میں ملاحظہ ہو: مولانا امتیاز علی عرشی کا مضمون "دیوان غالب کا ایک اور نسخہ" مطبوعہ نقوش لاہور ۸۲،۸۱ جون ۱۹۶۰ء۔

[نبی بخش حقیر کے حالات کے لیے رجوع: تلامذۂ غالب/۹۴ و بعد۔ نادرات غالب/۱۷ و بعد]

(خط نمبر ۱۱): ——— آفاق دہلوی نے لکھا ہے کہ: "تفتہ نے اپنا پہلا دیوان ۱۸۴۶ء کے آغاز میں مکمل کر لیا تھا۔ اس کے دیباچے کے لیے انھوں نے غالب کو لکھا۔ غالب نے اپنی روش کے مطابق اس کا دیباچہ لکھ دیا۔ تفتہ کو یہ دیباچہ پسند نہ آیا اور شکایت کی کہ آپ نے میری ہجو ملیح لکھی ہے۔ غالب اس سے بہت آزردہ ہوئے" (نادراتِ غالب/۲۲) اس فارسی خط سے جو ہرگوپال تفتہ کے نام ہے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۸۴۶ء کے وسط میں تفتہ نے اپنا "کلیاتِ فارسی" غالب

کرنذرِ ثانی کے لیے بھیجا تھا۔ یہ خط اس لیے اور بھی اہم ہے کہ شاید اسی کے ذریعے تفتہ اور منشی نبی بخش حقیر کا تعارف ان دونوں حضرات کے تعلقات پر بحث کرتے ہوئے آفاق دہلوی نے لکھا تھا :

" ان دونوں کے باہمی مراسم کی ابتدا کا حال معلوم نہ ہو سکا اور نہ یہ اتنا اہم ہے۔ نبی بخش بھی آگرے کے رہنے والے تھے، تفتہ کا بھی اکبر آباد سے کچھ تعلق تھا، ممکن ہے ان حضرات کے آبائی تعلقات ہوں اور یہ بھی عین ممکن ہے کہ ان دونوں صاحبوں کی باہمی ملاقات کی تقریب کوئی ادبی صحبت یا ذوقِ سخن کی مطابقت ہو"

(نادراتِ غالب/۲۲)

غالب کے اس خط سے یہ مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے۔ انھیں غالب ہی نے باہم متعارف کرایا تھا۔

اس خط میں غالب نے دیوانِ فارسی کے دو نسخے بھیجنے کا ذکر کیا ہے اس سے صریحاً دیوانِ فارسی کا وہ ایڈیشن جو ۱۸۴۵ء میں نواب ضیاء الدین احمد خاں نیر رخشاں کی ترتیب و تصحیح کے ساتھ مطبع دار السلام دہلی سے شائع ہوا۔

منشی ظہور علی، علی گڑھ کے صدر الصدور تھے، تفتہ کے ان سے بہت گہرے تعلقات تھے ان کے ایک فرزند کا انتقال ہو گیا تھا اس کی " یادگار" کے لیے ظہور علی نے تفتہ سے مثنوی سنبلستان (بطرز بوستانِ سعدی) لکھوائی تھی جس میں جا بجا ظہور علی کا ذکر ملتا ہے :

زمانیکہ گشتنش دہ و ہفت سال	زگردوں بہ داشتم خستہ حال
گذر اتفاقاً بکول او فتاد	مثنوی شاد گر بشنوی روئداد
کہ مردے نکو سیرت و حق تلاش	صفائے درونش برون از قیاس
اگر پرسیم نامش از خوشدلی	خود اول ظہور است و آخر علی

ظہور علی بہت دنوں سے تفتہ کی ملاقات کے مشتاق تھے۔ جب انھیں معلوم ہوا کہ وہ کول (علی گڑھ) میں آئے ہوئے ہیں انھوں نے اپنے فرزند وارث علی کو بھیجا، تفتہ ان کے ساتھ ملاقات کے لیے گئے۔ وہاں حال و قال کی محفل برپا دیکھی، تفتہ کو مولوی ظہور علی کھڑے ہو گئے اور انھیں گلے سے لگا لیا۔ پھر اصرار کیا کہ تم میرے پاس ہی قیام کرو۔ تفتہ راضی ہو گئے اور ان کے ایک مکان خالی کر دیا گیا۔ منشی ظہور علی کی درویشی اور خدا پرستی کی تفتہ نے بہت تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ ان کی توجہ سے میرے لڑکے امراؤ سنگھ کو محکمہ دیوانی میں ایک اچھی ملازمت بھی مل گئی۔

کتاب سنبلستان جو ۱۲۷۰ھ میں تصنیف ہوئی، دراصل مولوی ظہور علی کی فرمائش ہی پر لکھی گئی تھی اور اس کے دو مطلب تفتہ نے لکھے ہیں :

ز بہر مطلب ایں جہد کردم بجاں	دو مطلب مرا نیز بود اندراں
یکے آں کہ غیر از غزل مثنوی	نگفتم ہنوز از طریق نوی
دگر ایں کہ ماند ز راہ وداد	سخن از محمد سلیمان بیاد

یہ ۱۳ - ابواب پر مشتمل ہے - پانچویں باب میں شاعروں کی حکایات ، اور بارھویں میں خود شیفتہ کے حالات ہیں اس میں متعدد ت منشی ظہور علی سے متعلق ہیں یا ان سے روایت کی گئی ہیں -

(خط نمبر ۱۲) ——— مولوی فضل اللہ کے حالات تفصیل سے معلوم نہیں ہوتے - اِن کے نام شیفتہ کا بھی ایک خط ہے (دیوان و رقعات حسرتی / ۵۱ - ۵۲ طبع ۱۸۸۷ء) نظر بظاہر یہ منشی فضل اللہ برادر منشی امین اللہ (عرف امّو جان؟) الور ہیں - جن کے نام غالب کا ایک خط کلیات نثر فارسی (پنج آہنگ) میں بھی ملتا ہے - ان کا ذکر مرقع (الور) مولفہ محمد مخدوم (ص ۱۵۱ و بعد طبع ۱۸۸۹ء) میں بھی ہے :

" منشی امّو جان نے عہدہ بخشی گری اپنے بھائی انعام اللہ خاں کو دیا تھا اور فضل اللہ خاں برادر خورد خود کو کاروبار متعلقہ دیوانی میں شریک کیا تھا - یہ شخص فضل اللہ خاں بڑا فسادی تھا اور شر کا ابتدا سے عادی تھا ...... "

میر قاسم علی آگرے اور ہاتھرس میں عہدہ منصفی پر مامور رہے بعد ازاں صدر الصدور ہوئے - ان کا ذکر غالب کے خطوں میں بھی ملتا ہے (مثلاً نادراتِ غالب / ۲۱ و ۸۸)

جامع رقعات نے اس رقعے کا پتا بھی ساتھ ہی درج کر دیا ہے جو یقیناً دلچسپ ہے - اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ صدر الدین آزردہ کے توسط سے بھیجا گیا تھا -

(و) مراجع

مہیش پرشاد : خطوطِ غالب جلد اوّل — ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد — ۱۹۴۱ء

غلام رسول مہر : خطوطِ غالب — کتاب منزل لاہور (طبع دوم) — سنہ ندارد

غالب : کلیات نثر غالب — نولکشور لکھنؤ — ۱۸۶۷ء

محمد مصطفیٰ خاں شیفتہ : دیوان و رقعات حسرتی — مطبع نیو امپیریل لاہور — ۱۸۸۷ء

شیفتہ : سنبلستان — مطبع نولکشور — ناقص الآخر سنہ ندارد

محمد مخدوم تھانوی : مرقع الور — مطبع آگرہ اخبار آگرہ — ۱۳۰۷ھ

مالک رام : تلامذۂ غالب — مرکز تصنیف و تالیف نکودر — ۱۹۵۷ء

مالک رام : ذکر غالب (طبع سوم) — مکتبہ جامعہ دہلی — ۱۹۵۵ء

امتیاز علی عرشی : دیوان غالب (نسخہ عرشی) — انجمن ترقی اردو ہند — ۱۹۵۸ء

آفاق حسین آفاق : نادراتِ غالب — مشہور پریس کراچی — ۱۹۴۹ء

قائم چاندپوری : دیوان اردو (قلمی) — مخزونہ انڈیا آفس لندن (ہندوستانی مخطوطات)

سہ ماہی نوائے ادب بمبئی جلد ۱۳ - شمارہ ۳ ، جولائی ۱۹۶۲ء - رسالہ نقوش لاہور - شمارہ ۹۴ ، جولائی ۱۹۶۲ء رسالہ نقوش لاہور ، شمارہ ۸۱ ، ۸۲ جون ۱۹۶۰ء - سہ ماہی معاصر پٹنہ ، حصہ اوّل

واقعۂ ہجرت

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے اشعار

اور مولانا حالی کا اُردو ترجمہ

پیش کردہ: شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی

جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ۱۳ برس تک مسلسل کفار کے ظلم و ستم سہنے کے بعد مجبور ہو کر مکہ سے ہجرت فرمائی اور حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر لٹا کر اور حضرت صدیقِ اکبرؓ کو اپنے ہمراہ لے کر غارِ ثور میں تین دن قیام فرمانے کے بعد مدینہ منورہ تشریف لے گئے اُس وقت حضرت علیؓ نے حضور علیہ السلام کی شان اور خدمتِ اسلام کے متعلق چند اشعار کہے تھے۔ جب میں ۱۹۱۷ء میں پانی پت میں حضرت شمس العلماء مولانا حالی کی لائبریری کا لائبریرین تھا تو ایک روز حضرت مولانا مرحوم کے پرانے مسودات تلاش کرتے ہوئے مجھے اُن کی ایک بیاض میں ان متبرک عربی اشعار کا مولانا مرحوم کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا اُردو ترجمہ ملا۔ مولانا مرحوم نے اُس بیاض میں یادداشت کے طور پر لکھ رکھا تھا کہ میں نے یہ ترجمہ (مشیر الدولہ، ممتاز الملک، خان بہادر) خلیفہ سید محمد حسین (میر منشی ریاست پٹیالہ) کی فرمائش پر ۳۰ر نومبر ۱۸۸۶ء کو بمقام لاہور کیا۔

مولانا مرحوم کے مترجمہ یہ اشعار آج تک اُن کے کسی مجموعہ میں نہیں چھپے تھے۔ اس لیے میں نے ان اشعار کو اُن کی قلمی بیاض میں سے نقل کر لیا اور اس فکر میں رہا کہ اصل عربی اشعار بھی مل جائیں تو پھر ان کو اکٹھا شائع کر دوں۔ لیکن عرصہ دراز کی تلاش کے بعد بھی مجھے عربی اشعار دستیاب نہ ہوئے۔ اور یہ ترجمہ یونہی پڑا رہا۔ اصل کے بغیر ترجمے کی اشاعت مجھے منظور نہ تھی۔ اتفاقاً ایک روز خلیفہ سید محمد حسین وزیر اعظم ریاست پٹیالہ کی کتاب "اعجاز التنزیل" دیکھ رہا تھا کہ اچانک اُس میں یہ عربی اشعار مل گئے۔ جو خلیفہ صاحب نے "ناسخ التواریخ" سے نقل کیے تھے۔ عجیب اتفاق یہ کہ اسی وقت میرے محترم دوست محمد طفیل صاحب مدیر نقوش نے اپنے سالنامہ کے لیے کسی غیر مطبوعہ چیز کی فرمائش کی۔ اور میں نے خوشی کے ساتھ یہ متبرک تحفہ اُن کی خدمت میں پیش کر دیا۔ جو آج ناظرین کرام ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ خدا کی قدرتیں اور مصلحتیں عجیب ہوتی ہیں۔ محض سالنامہ نقوش میں شائع ہونے کے لیے میرے پاس مولانا حالی کے یہ غیر مطبوعہ اشعار ۶۴ برس تک پڑے رہے۔ گم اور ضائع ہونے کے کئی مواقع کے بعد یہ پاکستان آئے اور یہاں آ کر بھی ۱۶ سال تک پڑے رہے اور آج سالنامہ نقوش کی زینت بن رہے ہیں۔

...ت علی کرم اللہ وجہ کے اشعار

وَقِيتُ بِنَفْسِي ... نْ وَطِئَ الْحَصٰى   وَمَنْ طَافَ بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ وَبِالْحَجَرِ
رَسُوْلُ الْإِلٰهِ خَا ... يَمْكُرُوْا بِهٖ   فَنَجَّاهُ ذُو الطَّوْلِ الْإِلٰهِ مِنَ الْمَكْرِ
فَبَاتَ رَسُوْلُ ... الْغَارِ آمِنًا   مُوَقًّى وَفِيْ حِفْظِ الْإِلٰهِ وَفِيْ سِتْرِ
أَقَامَ ثَلٰثًا ثُـ ... قَلَائِصُ   قَلَائِصُ تَفْرِيْنَ الْحَصٰى أَيْنَ مَا تَفْرِ
وَبِتُّ أُرَاعِيْهِ ... يُثْبِتُوْنَنِيْ   فَقَدْ وُطِّنَتْ نَفْسِيْ عَلَى الْقَتْلِ وَالْأَسْرِ

...دْتُ بِهٖ نَصْرَ الْإِلٰهِ تَبَتُّلًا
...ضْمَرْتُهٗ حَتّٰى أُوَسَّدَ فِيْ قَبْرِ

ترج... لعلما مولانا الطاف حسین حالی پانی پتی

رسولِ ... اُس سے کمتر   زمیں پر خدا کی - جو ہے چلنے والا
پھر ... ے جو- یا پھریں گے   وہ قدر و بزرگی میں ہے سب سے بالا
ہوا ... اُس پر سے میں نے   سپر بن کے خود دشتِ اعدار کو ٹالا
بچایا ... اُسے حق نے   وہ جو سب پہ ہے لطف و احسان والا
خدا ... اُس کا امین   کہ پردہ تھا اُس نے سب آنکھوں پہ ڈالا
ہو ... اُس حد سے باہر   سواروں نے ناقوں کو اپنے نکالا
وہ ز ... پیروں سے اپنے   گئے جس زمیں پر اُسے پیس ڈالا
یں ... تھا منتظر وہاں   نہ بیڑی ہی تھی شاق مجھ پر نہ بھالا

...ض اس سے تائیدِ حق تھی اور اب بھی
...ی دُھن ہے تا وصلِ ایزد تعالیٰ

تاریخِ مغل

ترجمہ: مولوی عنایت اللہ دہلوی

عطیہ: شیخ محمد اسماعیل پانی پتی

مشہور یورپین مورخ سر ہنری ہوورتھ نے "ہسٹری آف منگولز" کے نام سے چار ضخیم جلدوں میں مغلوں کی ایک نہایت بے نظیر، بے مثل مفصل اور مکمل تاریخ نہایت تحقیق و تدقیق اور عرصہ دراز کی تلاش و کوشش کے بعد بڑی قابلیت اور لیاقت کے ساتھ لکھی جو چار بڑی اور مبسوط جلدوں میں ۱۸۷۶ء سے ۱۸۸۸ء تک بارہ سال کے عرصہ میں چھپ کر شائع ہوئی۔ مغلوں کی اس سے بہتر، اس سے اعلیٰ اور اس سے زیادہ تفصیلی تاریخ اس وقت تک دنیا کی کسی زبان میں نہیں لکھی گئی۔ اس محققانہ اور عالمانہ تاریخ میں مغلوں کی ایسی ایسی سلطنتوں اور حکومتوں اور ایسے ایسے قبائل اور خاندانوں کا حال درج ہے جن کا روس اور وسط ایشیا کی تاریخوں میں نام و نشان بھی نہیں ملتا۔ الغرض چین۔ ترکستان۔ بخارا۔ خیوا۔ دشت والگا۔ کریمیا۔ ایران۔ روس۔ قازان اور وادیٔ ڈینیوب غرض جن جن ملکوں اور جن جن علاقوں جن جن صحراؤں، اور جن جن کوہستانوں اور میدانوں میں مغلوں نے اپنی عظیم الشان سلطنتیں مختلف زمانوں میں قائم کیں سب کی مفصل حالت اور مکمل کیفیت اور سب کی عہد بعہد کی تاریخ اس لاجواب کتاب میں اُس کے لائق اور قابل مصنف نے نہایت جامعیت اور لیاقت کے ساتھ مرتب اور مدون کی ہے۔

مختصر یہ ہے کہ مغلوں کی قدیم تاریخ کے متعلق یہ کتاب ایک سائیکلو پیڈیا کا حکم رکھتی ہے۔ اور مصنف کا یہ بلاشبہ ایک ایسا اعلیٰ پایہ کا علمی اور تاریخی کارنامہ ہے جس کی دوسری نظیر موجود نہیں۔

علمی دُنیا کا یہ عجیب اتفاق ہے کہ جیسی بے نظیر، بے مثل اور لاثانی یہ تاریخ ہے ایسا ہی قابل، لائق اور فاضل مترجم اس کتاب کو ملا۔ جو انگریزی سے اردو ترجمہ کرنے میں اپنا عدیل اور مثیل نہیں رکھتا تھا۔ ہماری مراد شمس العلماء خان بہادر مولانا ذکاء اللہ دہلوی کے نامور فرزند مولوی عنایت اللہ مرحوم ناظم دارالترجمہ عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد دکن سے ہے جو اس فن میں تمام ملک میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے اور جن کے ترجمہ کی لیاقت کے متعلق سر سید مرحوم نے ایک مرتبہ اُن کے والد کو لکھا تھا کہ "تمھاری ساری عمر ترجمہ کرتے گذر گئی اگر تم کسی مضمون کا ترجمہ کر دو جیسا عنایت اللہ نے کر کے مجھے دیا ہے تو جو کہو وہ تمھیں کھلاؤں"۔ ترجمہ کی اس حیرت انگیز قابلیت کی بدولت مولوی عنایت اللہ نے متعدد اعلیٰ درجہ کی انگریزی کتابوں کو اُردو کا حسین جامہ پہنایا ہے۔ اور پچاس سے زیادہ کتابیں اپنی یادگار چھوڑی ہیں۔